© rasailojaraid.com

اسلام کا نظامِ امن و امان

از

(مولانا محمد ظفیر الدین صاحب دار الافتاء دار العلوم دیوبند)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے برہان بابتہ ماہ جولائی ۵۸ء)

اسلام میں سزائیں اسلام میں دو طرح کی سزائیں ہیں، ایک کی تعبیر "حدود" کے نام سے کی جاتی ہے، اور دوسرے کی "تعزیر" سے، حدود ان سزاؤں کے نام ہیں جن کی سزائیں قرآن و احادیث میں صراحت کے ساتھ متعین ہیں، اور تعزیر امام و امیر کی رائے پر محول ہوا کرتی ہے، تعیین صراحت کے ساتھ وارد نہیں ہوتی۔

قصاص حدود میں سے ہے، یعنی یہ سزا رب العزت کی متعین کردہ ہے، کہ قاتل کو جرم کے ثبوت یا اقرار کے بعد قتل کر دیا جائے، اس سزا میں کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی طرف سے ردّ و بدل کر دے، خواہ امیر المؤمنین ہو یا اس کا نائب، بلکہ وہ اسی سزار کے اجرار پر مجبور ہے، اگر وہ قانونی دائرہ میں رہ کر ایسا نہیں کرتا، تو عند اللہ خود مجرم ہے۔

اس وضاحت کے بعد یہ بات بڑی آسانی سے ذہن نشین ہو سکتی ہے، کہ یہ سزا اپنی جگہ بالکل درست اور جرم کے عین مطابق ہے، کیوں کہ یہ مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی اور اس کے علم سے بڑھ کر کسی اور کا علم و فہم کب ہو سکتا ہے، آگے یہ بات بھی ثابت کی جائے گی کہ یہ سزا عقل و خرد کے بھی بالکل مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا احسان یہاں پہلی بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ سزا کی تعیین رب العزت کا بڑا احسان ہے، کہ اس نے ہمیں اس بار سے سبکدوش رکھا، اور ہماری عقل کو امتحان میں نہیں ڈالا، ورنہ ممکن تھا اس سلسلہ میں ہم سے لغزش ہو جاتی اور یہ مسئلہ فیما بین الناس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باعثِ نزاع بن جاتا، جیسا کہ اس دور میں دیکھا جا رہا ہے۔

اس کا بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ قاتل اور اس کے حامیوں کے دلوں میں حاکموں کی طرف سے نفرت و انتقام کا جو جذبہ پرورش پا سکتا تھا، وہ سرے سے ختم ہو گیا، اور اپنی جگہ وہ اس سلسلہ میں ساری تگ و دو سے بچ گیا۔

اس طرح کی سزاؤں کے اجراء کے سلسلہ میں جو اسلامی قوانین ہیں، وہ سراپا رحمت ہیں، جس کی تفصیل اپنے اپنے موقع پر آئے گی۔

سزائیں اور جرائم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ دنیاوی سزائیں جرم کے سلسلہ میں اس قدر ٹھوس اور محکم بنیاد پر قائم ہیں کہ کہیں سے ان میں خامی اور کمزوری کا نام و نشان تک نہیں ہے، اور ان کے اجراء کے بعد غیر ممکن ہے کہ جرم کی رفتار باقی رہے، اس لئے کہ رب العالمین نے ہر ایک جرم کی سزا اس طرح متعین کی ہے، کہ وہ اپنی جگہ بالکل فٹ اور مناسب ہے، اور ساتھ ہی انسانی نفسیات کے مطابق، اسی طرف حافظ ابن القیمؒ نے اشارہ کیا ہے

ورتب علی کل جنایۃ ما یناسبھا من العقوبۃ ویلیق بھا من النکال (اعلام الموقعین ج ۱ ص۱۸۲)	ہر جرم کی سزا بالکل اس کے مناسب تجویز کی گئی ہے جو اس کے لئے بالکل درست ہے،

قتل کی شناعت جرائم میں جرائم کی فہرست سامنے رکھی جائے، اور سوچا جائے، کہ کسی کو ناحق قتل کرنا، کتنا بڑا جرم ہے، اگر یہ جرم تمام جرائم میں عقل کے نزدیک عظیم تر معلوم ہو، کہ قاتل نے واقعی اپنے اس ناجائز فعل سے ملک کے امن و امان کی دیوار میں شگاف ڈالا ہے، ملک میں خوف و ہراس پھیلانے کا ذریعہ بنا ہے، ساتھ ہی اس کے اس بُرے فعل نے مقتول کے وارثوں کو نقصان پہنچایا ہے، اس کے احباب کی بزم سونی ہوئی ہے، اس کے گھر میں ویرانی آئی ہے، اور ان سب سے بڑھ کر ملک کی ایک قیمتی جان مفت ضائع گئی ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس سے ممکن تھا قوم و ملک کو مستقبل میں بے حد فائدہ پہنچتا، ــــــ تو پھر دیکھنا چاہیئے کہ کیا اس کی سزا جو اسلام نے مقرر کی ہے، اس میں کوئی افراط و تفریط ہے؟

یقین کے ساتھ یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں اسلام نے جو سزا متعین کی وہ ہر پہلو سے درست ہے، اور ذرہ برابر اس میں کوئی افراتفری نہیں ہے، اگر اس جرم عظیم کی یہ سزا نہ ہوتی تو البتہ حیرت ہوتی۔

اجراء قصاص کے شرائط اسلام کا قانون یہ ہے کہ قصاص کا اجراء ہر ایک کے لئے جائز نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ اسلامی حکومت کے ہاتھ میں ہے اور حکومت بھی اس وقت اس کا اجراء کرے گی، جب معاملہ کی وہ پوری تحقیق کرے اور ثبوت یا اقرار سے قاتل کا جرم اس طرح ثابت ہو جائے، کہ اس میں کوئی اشتباہ باقی رہنے نہ پائے، ساتھ ہی اس کے نافذ کرنے میں کوئی امرِ شرعی مانع نہ ہو۔

مختصر یہ کہ کتاب و سنت کی روشنی میں جب قاتل کا قتل کرنا ثابت ہو جائے، اور عدالت اس سلسلہ میں دو ٹوک فیصلہ سنا دے، تو اس وقت پھر کوئی طاقت قاتل کو قصاص سے نہیں بچا سکتی ہے۔

ولی مقتول کے اختیارات قاتل کے قتل کا جب فیصلہ سنا دیا جائے گا، تو اس وقت مقتول کے ولی کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ خود تلوار ہاتھ میں لے اور قاتل کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے تسکینِ خاطر حاصل کرے، یا پھر اگر وہ کسی وجہ سے خود قتل کی جرأت نہیں کر سکتا ہے تو کسی اور کے اس معاملہ کو سپرد کر دے، کہ وہ اس کی طرف سے قاتل کے قتل کا فریضہ ادا کرے۔

ولہ ان یقتل بنفسہ و بنائبہ بان	اس (ولی مقتول) کو حق ہے کہ خود قتل کرے
یامر غیرہ بالقتل لان کل احد لا	یا اپنے نائب کے ذریعہ سے اس طرح کہ وہ اپنے
یقدر علی الاستیفاء بنفسہ اما	سوا کسی اور کو اپنی طرف سے قتل کرنے کا حکم دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لضعف بدنه او لضعف قلبه او لقلة هدايته اليه فيحتاج الى الانابة الا انه لا بد من حضوره عند الاستيفاء (بدائع الصنائع ج۷ ص۲۴۶)

کیوں کہ ہر شخص بذات خود اس طرح قتل پر قدرت نہیں رکھتا ہے، اس کی کئی وجہیں ہوتی ہیں، کبھی بدن یا قلب کے ضعف کا نتیجہ ہوتا ہے اور کبھی اس سلسلہ کی معلومات حاصل نہ ہونا، ایسی حالت میں نائب بنانا ناگزیر ہوگا، لیکن اتنا پھر بھی ضروری ہے کہ وہ قتل کرنے کے وقت خود موجود رہے۔

شبہات اور اس کے جوابات قصاص کے سلسلہ میں جن لوگوں نے یہ اشکال پیش کیا ہے، کہ خوں ریزی قتل کے ذریعہ کیوں کر بند ہو سکتی ہے، اس کے جواب میں حافظ ابن القیمؒ نے بڑی عمدہ بات لکھی ہے، کہ عقل کے پتلوں نے اس مسئلہ کے تمام پہلو پر غور نہیں کیا ہے، اس لئے ان کے سامنے یہ سوال پیدا ہوا، اور وہ شبہات و شکوک کے دلدل میں پھنس گئے۔

اس سلسلہ میں پہلا سوال یہ ہے کہ قتل و خوں ریزی کے مجرمین کو ان کی سزا دینا، عقل اور شہری حقوق کا تقاضا ہے یا نہیں، اور اس طرح امن و امان کی بحالی حکومت کا فریضہ ہے یا نہیں؟ اگر جواب میں یہ کہا جائے کہ سزا دینا اور امن و امان کا قایم رکھنا ضروری نہیں ہے، تو دنیا کا کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی اس جواب کو ایک لمحہ کے لئے تسلیم نہیں کر سکتا ہے، کیوں کہ جرائم ہوں اور ان کی سزائیں نہ دی جائیں، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ملک کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے، اور پبلک کے لئے سکون و آرام حرام قرار دے دیا جائے، کسی کی جان اور عزت محفوظ نہ رہ سکے، اور زندگی وبال بن جائے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ جرائم کی سزا ضروری ہے، اور اس کے بغیر چارۂ کار نہیں، تو اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ جرم کی سزا کس نوعیت کی ہو، یا صرف خانہ پوری کے لئے ہو، یا جرائم کے بند کرنے کے لئے، ہر صحیح العقل کا جواب یہ ہوگا، کہ سزا ایسی ضرور ہونی چاہئیے، جو باعث عبرت ہو، اگر ایک طرف خود مجرم کو جرم کے ارتکاب سے روک سکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو دوسری طرف دوسرے اسے دیکھ کر اس طرح کے جرائم کے ارتکاب کی جرأت نہ کر سکیں، تاکہ امن وامان بحال رہ سکے، اور پبلک اطمینان کی زندگی گذار سکے۔

ملکی مفاد کی حیثیت اتنی بات جب واضح ہو چکی کہ جرم کی سزا ضروری ہے اور سزا بھی ایسی کہ وہ باعثِ عبرت ہو، اور جرم کو روکنے والی، تو اب یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے، کہ قوم و ملک کے امن وامان کی خاطر مجرم کا شخصی نقصان برداشت کرنا ضروری ہے خواہ یہ نقصان جانی ہو، یا مالی، پھر وہ کسی خاص عضو کا ہو، یا پورے جسم کا۔

اس بات پر دنیا کے سارے عقلاء متفق ہیں کہ ملکی مفاد کے لئے شخصی نقصان ناگزیر طور پر برداشت کیا جائے گا، کسی سرپھرے کو ملک میں اودھم مچانے اور بغاوت کی اجازت نہیں دی جائے گی، اگر کوئی احمق اس کے خلاف کہتا ہے تو اسے خود اپنی حماقت پر ماتم کرنا چاہیئے۔

سزا کی نوعیت اب ایک چیز اور قابلِ غور رہ گئی، وہ یہ کہ کیا یہ درست ہوگا کہ جرائم متفاوت ہوں، اور سزائیں سب کی ایک، یا جرائم ایک سے ہوں اور اس کی سزائیں متفاوت، یا پھر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ سزا جرم کے مطابق ہو، اگر کوئی یہ کہے کہ متفاوت جرائم کی سزائیں ایک سی ہوں، تو ایک احمق بھی یہ سن کر چیخ اُٹھے گا، کہ یہ حکمت وانصاف کے بالکل منافی ہے، اسی طرح جرائم سب کے ایک ہوں اور ان کی سزائیں باہم متفاوت جیسا کہ انگریزوں کے دورِ حکومت میں تھا کہ ایک ہی جرم، اگر کوئی ہندوستانی کرے تو قابلِ گردن زدنی اور انگریز کرے تو قابلِ عفو ودرگذر، تو کون سلیم الطبع کہہ سکتا ہے کہ یہ عدل ومساوات کے خلاف نہیں ہے۔

لے دے کر ماننا پڑے گا کہ تقاضائے انصاف یہی ہے کہ جیسا جرم ہو، اسی کے مطابق اس کی جچی تلی سزا بھی دی جائے، جس میں کسی کے ساتھ کوئی رو رعایت کا معاملہ نہ کیا جائے، چنانچہ شریعت کا یہی فیصلہ ہے کہ سزا جرم کے مطابق ہو، اور قانون میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امیر و غریب، شاہ و گدا، شریف و کمینہ، اور اونچ نیچ کی کوئی تمیز نہ ہو، بلکہ جو بھی جرم کا ارتکاب کرے اسے قرار واقعی سزا دی جائے۔

قصاص عقل کی روشنی میں | جان بوجھ کر جو شخص کسی کو قتل کر ڈالے اس کی سزا اسلام نے قصاص تجویز کی ہے، جس کی تفصیل گذر چکی، یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ قتلِ عمد کی سزا جو قصاص تجویز کی گئی ہے، وہ کس حد تک مناسب ہے۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں

اسلام نے سزائیں جرم کے اندازہ سے مقرر کی ہیں، جس میں دُرّے سے لے کر قتلِ نفس تک کی سزائیں ہیں، چنانچہ جب جرم اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور اس جرم کی قباحت حد سے بڑھ جاتی ہے، تو ایسے موقع سے اسلام اتلافِ جان کی سزا تجویز کرتا ہے جیسے کوئی کسی کو ناحق قتل کر ڈالے، یا کوئی مسلمان دینِ حق سے پھر جائے، یا ایسے جرم کا ارتکاب کرے، جس کا ضرر غیر محدود ہو تو ان صورتوں میں مجرم کی سزا یہی اتلافِ جان ہوتی ہے۔

جن ظاہر بیں نگاہوں میں یہ سزا باعثِ مفسدہ ہے، ان کو غور کرنا چاہیئے کہ یہ مفسدہ بہر حال محدود ہے لیکن اس سے متعلق جو مصلحتیں اور فوائد ہیں، وہ اس مفسدہ سے گوناگوں بڑھے ہوئے ہیں، جس کی طرف قرآن نے اپنے معجزانہ انداز میں اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ — اور تمھارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمند تاکہ تم بچتے رہو۔

قصاص طہارت ہے | یعنی اگر قصاص کا خدائی قانون نہ ہوتا، تو پورا عالم تہس نہس ہو جاتا، اور انسان بعض بعض کو موت کے گھاٹ اتارنے میں ذرہ برابر دریغ نہ کرتا، کوئی اقدامی حملہ کرتا اور کوئی ردِّ عمل کے نام پر، قصاص کا قانون دراصل انھی اقدامی اور ردِّ عمل کی خوں ریزی سے پیدا ہونے والے مفاسد کا سدِّ باب ہے[1]، لہذا جن لوگوں نے اپنی کوتاہ نظری اور غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ قصاص کی مثال "ازالۃ النجاسۃ بالنجاسۃ" کی ہے، ان کی عقل پر

---

[1] اعلام الموقعین ج ۲ ص ۱۰۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پردہ پڑا ہوا ہے ورنہ وہ ایسی بات ہرگز نہ کہتے، کیوں کہ قصاص دراصل اس نجاست کی پاکیزگی ہے، جو جرم کے ارتکاب سے پیدا ہوتی ہے۔

انسان کے مفاد کے لئے جانوروں کا ذبیحہ اتلافِ جان کی یہی ایک صورت نہیں ہے کہ احمقوں کی جماعت اسے دیکھ کر چیخنے لگتی ہے، آخر کیا حیوانات کے اندر جان نہیں ہے، ہے اور یقیناً ہے، جس سے دنیا کا کوئی صحیح العقل انکار نہیں کرسکتا ہے، مگر بایں کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بہت سے جاندار انسان کی راحت اور اس کی مصلحت کی خاطر بے دردی سے ذبح کردئے جاتے ہیں اور نہ کوئی بھی اسے برا نہیں سمجھتا بلکہ وہ اپنا انسانی حق سمجھتا ہے، حالاں کہ اس صورت میں بھی جاندار کی جانوں کا اتلاف ہی ہے۔

بات وہی ہے کہ چوں کہ جانوروں کے ذبح سے جو فوائد متعلق ہیں، وہ کئی گنا اتلافِ جان سے بڑھے ہوئے ہیں، پھر یہ کیا ظلم ہے کہ اسلام جب کہتا ہے کہ صالح افراد اور ملکی امن وامان کی بقا کی خاطر مجرم کو قتل کردیا جائے تو کچھ لوگوں کو یہ مسئلہ قابلِ اعتراض نظر آنے لگتا ہے، اور وہ مجرمین کو بے گناہ صالح افراد کے برابر منوانے کے لئے حماقت سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، حالانکہ سب یہ جانتے ہیں کہ قوم و ملک کی خوش گوار زندگی کا دارومدار ملکی امن وامان پر ہی ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو زمین باوجود وسعت کے اہل زمین پر تنگ ہو جائے۔

کیا کسی کو اس کی اجازت دینا مناسب ہوگا کہ ملک میں قتل وخون کرکے خوف وہراس پھیلائے، اور اس کو قرار واقعی سزا نہ ملے، یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ شخصی مفاد کی وجہ سے جماعت کے مفاد کو نظرانداز کردیا جائے۔

قاتل کی زیادتی پھر قاتل نے جس جان کو موت کے گھاٹ اتارا ہے، اس کے متعلق کبھی آپ نے غور کیا کہ اس کی قدر وقیمت اللہ تعالیٰ کی نظر میں کیا ہے اور قاتل کس قدر معتوب، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الآدمی بنیان الرب ملعون من هدمه	انسان اللہ تعالیٰ کی ایک مضبوط دیوار ہے، ملعون ہے وہ جو اسے ڈھائے۔

خود مجرم کو بھی اپنی جگہ سوچنا چاہیئے کہ جب اس کے جرم کی وجہ سے قوم و ملک کا اطمینان و سکون پامال ہو رہا ہے، امن و امان کی مٹی پلید ہو رہی ہے، اور ملک کا حسین چہرہ داغدار ہو رہا ہے، تو وہ پہلے بذاتِ خود اس سے کنارہ کش ہونے کی سعی بلیغ کرے، لیکن اگر وہ کامیاب نہ ہو، اور حاکم کے پاس اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اس سلسلہ میں سرِ تسلیم خم کر دینے میں کوئی ایسی بات نہ کرے، جس سے ملک کے وقار کو نقصان پہنچ سکے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جن ملکوں میں قصاص کا قانون باقی نہیں رکھا گیا، یا اس میں نرمی اور پہلو تہی سے کام لیا گیا، اس ملک کا سکون و اطمینان غارت ہو کر رہ گیا، اور امن و امان کا آفتاب گہن میں آگیا۔

اجرائے قصاص میں کوتاہی اور سفارش

یہی وجہ ہے کہ اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اجماعِ امت ہے کہ جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد سزا کے اجراء میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی جائے، ورنہ کوتاہی کرنے والے بھی مجرم کے خانے میں آجائیں گے،

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کی اہمیت جتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا

من قتل عمداً فهو قود ومن حال دونه فعليه لعنة الله وغضبه لا يقبل منه صرف ولا عدل ابو داؤد والنسائی (جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۷۶)	جو شخص عمداً قتل کرے اس میں قصاص ہے اور جو اس باب میں حائل ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب ضروری ہے، نہ اس سے اس باب میں فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش۔

قصاص کے اجراء میں جو مانع بنے وہ اسلام کی نظر میں سخت مجرم اور قابلِ ملامت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

من حالت شفاعتہ دون حد من حدود اللہ فقد شاد اللہ فی حکمہ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ)

جس کی سفارش اللہ کے حدود میں سے کسی حد میں مانع بنے (تو وہ ایسا ہے) کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ میں اس کی مخالفت کی۔

قصاص صحابۂ کرام کی نظر میں | یہ اور اس طرح کی دوسری حدیثیں بکثرت ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب معاملہ ثابت ہو جائے تو پھر اس سلسلہ میں سفارش یا کسی اور ذریعہ سے اجرار قصاص کو ہرگز روکنے کی سعی نہ کرنی چاہیئے، عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں اس باب میں کسی طرح کی رو رعایت جائز نہیں تھی، حضرت سعید بن المسیب رضؓ کا بیان ہے کہ صنعاء میں ایک شخص کو کئی آدمیوں نے مل کر قتل کر ڈالا، تفتیش سے سات آدمی شریک ثابت ہوئے، تو حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ان ساتوں کو قتل کر ڈالا۔ اور فرمایا کہ اگر تمام اہلِ صنعاء اس خون میں شریک ہوتے، تو بلا شبہ ان تمام کو اس ایک کے بدلے میں قتل کر ڈالتا [1]

بخاری کے الفاظ یہ ہیں

لو اشترک فیہ اھل صنعاء لقتلتھم (بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۸)

اگر اس میں تمام اہل صنعاء شریک ہوتے تو بلا شبہ میں ان تمام کو قتل کر ڈالتا

انسانی جان کی حفاظت حکومت کے ذمہ کس قدر ضروری ہے صرف اسی ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور اسی سے قصاص کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتنی اہم اور بنیادی چیز ہے، کہ ایک جان کے لئے فاروق اعظم رضؓ جیسے مدبر اور دور اندیش فرمانروا اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر اس ایک جان کی قصاص میں صنعاء کی پوری آبادی شریک ہوتی، تو وہ سب کی سب قتل کر دی جاتی۔

---

[1] موطا امام مالک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدم قصاص کا انجام | ہمارے اس دور میں لاکھوں بے قصور جانیں تہِ تیغ ہوتی رہتی ہیں مگر کوئی قاتل سے نہیں پوچھتا کہ تو نے یہ جرأتِ بے جا کیوں کی، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ قتل و خوں ریزی کی وارداتیں دن بدن بڑھتی ہی جارہی ہیں۔

کون نہیں جانتا ہے کہ انسانی طبائع کچھ اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ وہ موقع پاکر ظلم و زیادتی سے نہیں چوکتے، اور اسی طرح اپنے غصہ کی تیزی اسے برداشت نہیں ہوتی، وہ پاگل بن جاتا ہے، اور بسا اوقات معصوم جان کے قتل سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرلیتا ہے تو کیا ایسے موقع پر عقل کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ظالم کو ظلم کا بدلہ اور اس کی سزا ملے۔ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر قصاص و دیت کے مسئلہ میں کسی کو تردد کیوں ہوتا ہے۔

قاتل کے لئے رحم و کرم کی گنجائش | اسلام کے قانونِ قصاص میں رحم و کرم کی گنجائش ہے، مگر یہ مقتول کے ولی کی صوابدید پر موقوف ہے، اگر وہ راضی ہوجائے، اور قاتل کے قصاص سے درگذر کرے اور دیت قبول کرلے، تو اس صورت میں حکومت قاتل کی جان بخشی کرسکتی ہے یا سرے سے ولیِ مقتول معاف کردے، نہ قصاص لے اور نہ دیت، تو اس صورت میں بھی جان بخشی کی گنجائش ہے، قرآن پاک میں جہاں قصاص کا تذکرہ ہے، وہیں یہ بھی ذکر ہے۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ	پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ تو
بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ	تابعداری کرنی چاہئے دستور کے موافق اور ادا کرنا چاہئے
ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ	اس کو خوبی کے ساتھ، یہ آسانی ہوگی تمہارے رب کی طرف
فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ	سے اور مہربانی پھر جو زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس
عَذَابٌ أَلِيمٌ (بقرہ ۔)	کے لئے دردناک عذاب ہے۔

شاہانہ ترحم | حضرت تھانوی اپنے تفسیری ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ہاں جس قاتل کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہوجائے، مگر پوری معافی نہ ہو، تو وہ سزائے قتل سے تو بری ہوگیا، لیکن دیت یعنی خونبہا کے طور پر ایک معین مقدار مال کی بذمہ قاتل واجب ہوگی، اس وقت فریقین کے ذمہ دو امر کی رعایت ضروری ہے، مدعی یعنی وارث مقتول کے ذمہ معقول طور پر اس مال کا مطالبہ کرنا، کہ اس کو زیادہ تنگ نہ کرے، اور مدعاعلیہ یعنی قاتل کے ذمہ خوبی کے ساتھ اس مال کا مدعی کے پاس پہنچا دینا، کہ مقدار میں کمی نہ کرے اور خواہ مخواہ ٹال مٹول نہ کرے، یہ قانونِ دیت اور عفو تمہارے پروردگار کی طرف سے سزا میں تخفیف ہے اور شاہانہ ترحم ہے، ورنہ بجز سزائے قتل کے کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی پھر جو شخص اس قانون کے مقرر ہونے کے بعد تعدی کا مرتکب ہو، مثلاً کسی پر جھوٹا یا اشتباہ میں دعوئے قتل کا کردے، یا معاف کرکے پھر قتل کی پیروی کرے، تو اس شخص کو آخرت میں بڑا دردناک عذاب ہوگا"[1]

اسلامی قانون میں عایت | حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل میں صرف قصاص تھا، دیت نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحم فرما کر قصاص کے ساتھ دیت کو بھی رکھا، کہ مقتول کے وارث قتل عمد میں اگر قصاص کے بدلہ دیت قبول کرلیں، تو قصاص سے قاتل بچ سکتا ہے[2]

بلکہ شریعتِ مطہرہ میں اس کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ولی مقتول سرے سے معاف کردے، اور اس طرح قاتل اپنے جرم کی سزا سے محفوظ ہوجائے، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من اصیب بقتل او خبل فانہ	جس کو قتل یا زخم کی مصیبت پہنچائی جائے،
یختار احدی ثلث اما ان یقتص	اسے تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے
واما ان یعفو واما ان یاخذ	یا وہ قصاص لے، یا معاف کردے اور یا

[1] بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۰ [2] جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۸۶ عن البخاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الدیۃ - لابی داؤد — وہ دیت قبول کرے۔

(جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۷۶)

وارثِ مقتول کی زیادتی کی روک تھام | ان تین شکلوں کے سوا کوئی چوتھی شکل نہیں ہے، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

من اصیب بدم او خبل والخبل الجرح فهو بالخیار بین احدی ثلاث فان اراد الرابعة فخذوا علی یدیه بین ان یقتص او یعفو او یاخذ العقل فان اخذ من ذالك شیئا ثم عدا بعد ذالك فله النار خالدا فیها مخلدا ابدا۔ رواہ الدارمی (مشکوٰۃ کتاب القصاص)

جسے خون یا زخم کی تکلیف پہنچائی جائے، اسے تین میں سے ایک کا اختیار ہے لیکن اگر وہ ان کے سوا کسی چوتھی چیز کا ارادہ کرے، تو اس کے ہاتھوں کو پکڑ لو، وہ تین یہ ہیں کہ قصاص لے، یا معاف کردے اور یا دیت وصول کرے، ان میں سے کچھ قبول کرنے کے بعد زیادتی کرے گا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ کوئی کسی کو قتل کردے تو ولیِ مقتول ان تین صورتوں میں کسی صورت پر عمل پیرا ہو کر اپنا حق حاصل کرے، اور امن و امان کے سلسلہ میں جو ناگواری اور برہمی پیدا ہو گئی ہے، اسے سرے سے ختم کردے، تاکہ پبلک میں اس ہونے والے ناخوشگوار واقعہ سے کوئی غلط رجحان پرورش نہ پانے پائے، لیکن اگر کوئی ولیِ مقتول باایں ہمہ اختیار کوئی صورت تجویز کر کے اس پر عمل پیرا نہ ہو، اور اس کو بہانہ بنا کر فضا کو مکدر کرنے کی سعی کرے اور فتنہ کو ہوا دینے کی تدبیر کرے تو وہ اسلام کی نظر میں سخت مجرم ہے، اور اس کے لئے جہنم کی وعید شدید ہے۔

دیت کا حق | مگر یہ واضح رہے کہ قصاص کی جگہ دیت لینے کا حق ولیِ مقتول کو قاتل کی رضا سے حاصل ہوگا، یعنی قاتل اس پر مجبور نہیں ہے کہ ولیِ مقتول دیت کا مطالبہ کرے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہ مخواہ ادا ہی کر دے، بلکہ وہ اس کا اختیار رکھتا ہے کہ اپنے کو قصاص کے لئے پیش کر دے اور دیت سے انکار کر دے، اسی طرح قاتل کی گلو خلاصی کہ وہ دیت دے کر قصاص سے اپنے آپ کو بچا لے، یہ ولی مقتول کی رضا پر موقوف ہے، کوئی ولیِ مقتول کو دیت قبول کرنے اور قصاص سے درگذر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے۔

قتلِ عمد اور اسلامی قانون قصاص اور قتلِ عمد کے سلسلہ میں اختصار کے ساتھ جو کچھ لکھا گیا، اس سے یہ بات خوب اچھی واضح ہو کر سامنے آگئی ہوگی، کہ اسلام کا یہ قانون ہر پہلو سے جامع، مانع اور مکمل ہے، امن و امان کا پاس مقتول کے وارثین اور حامیوں کے جذبات کا لحاظ، اور خود قاتل کے ساتھ ترحم شاہانہ، کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جو تشنہ رہ گیا ہو، اور جس پر اسلام نے پوری باریک بینی سے نگاہ نہ رکھی ہو۔

اس سلسلہ میں اسلام نے پہلے موانع کی آہنی دیوار کھڑی کی ہے کہ کسی کو قتل پر اقدام کی جرأت نہ ہو، بلکہ تہدید و وعید ہی اس کے ہاتھوں کو شل کر دیں، پاؤں میں بیڑی ڈال دیں اور دل و دماغ پر کنٹرول حاصل کر لیں، اور اس طرح امن و امان کی فضا میں برہمی کی سرے سے نوبت ہی نہ آنے پائے، لیکن انسان فطرتاً چونکہ عجلت پسند اور ظلوم و جہول واقع ہوا ہے، اس لئے باایں ہمہ وہ کر گذرنے پر قادر رہے

اس لئے جرم کے ثبوت کے بعد معقول سزا تجویز کی گئی، تاکہ یہ آئندہ کے لئے روک بن سکے، اور مجرمین کے حوصلہ کو پست کر دے اور پھر کوئی دوبارہ ایسے جرم کے ارتکاب کی جرأت نہ کرے، اس طرف اشارہ کرتے ہوئے ملا علی قاری رح نے تحریر فرمایا

والتحقیق ما قال بعض المشائخ	تحقیقی بات وہی ہے جو بعض مشائخ نے کہی ہے
انها موانع قبل الفعل وزواجر	کہ حدود، فعل سے پہلے موانع کا درجہ رکھتے ہیں
بعدہ، ای العلم بشرعیتها یمنع	اور کر گذرنے کے بعد زجر و توبیخ کا، یعنی اس قانون

کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاقدام علی الفعل وایقاعها بعدہ یمنع من العود الیہ (مرقاۃ ج۴ صفحہ)

کا علم جرم کے اقدام سے روکتا ہے اور سزا کا وقوع دوبارہ جرأت کا دروازہ بند کرتا ہے۔

قصاص کا قانونِ اسلام فقہا کی نظر میں

ابن الہمام نے حدود کی انھی حکمتوں کی طرف اشارہ فرمایا

محاسن الحدود اظہر من ان یذکرہ البیان او یکتبہ البنان لان الفقیہ وغیرہ یستوی فی معرفۃ انہا لامتناع عن الافعال الموجبۃ للفساد . . . . . والمقصود من شرعیۃ الحدود الانزجار عما یتضرر بہ العباد (مرقاۃ ج۴ صفحہ)

حدود کے محاسن اس حد سے باہر ہیں کہ زبان آسے ذکر کر سکے اور قلم لکھ سکے، اس لئے کہ فقیہ و غیر فقیہ اس بات کے جاننے میں برابر ہیں کہ یہ ان افعال کے روکنے کے لئے ہے جو موجب فساد ہیں اور حدود کے قانون کا مقصد اس چیز کا روکنا ہے جس سے بندوں کو نقصان پہنچے۔

نیز علامہ سرخسیؒ نے قانونِ قصاص کی حکمت اور اس کے اسباب کو سامنے رکھتے ہوئے، قانونِ قصاص کی ضرورت پر روشنی ڈالی اور اس سلسلہ میں بجا طور پر لکھا

الا انہ لو وقع الاقتصار علی الزجر بالوعید فی الاخرۃ ما انزجر الا اقل القلیل فان اکثر الناس انما ینزجرون مخافۃ العاجلۃ بالعقوبۃ وذالک بما یکون متلفا او مجحفا بہ فشرع اللہ القصاص والدیۃ لتحقق معنی الزجر (مبسوط ج۲۶ صفحہ ۵۹)

لیکن اگر آخرت کی وعید ہی پر اکتفا کیا جاتا تو اقل قلیل کے سوا کوئی باز نہ آتا، اس لئے کہ زیادہ تر لوگ فوری سزا سے ڈر کر باز آتے ہیں، اور وہ اس وجہ سے کہ یہ سزا مہلک اور تلف کن ہے چنانچہ اللہ نے قصاص و دیت کا قانون زجر و توبیخ کے لئے نافذ کیا۔

قصاص کا قانون قصاص کی انھی حکمتوں کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے یہ معاملہ حاکم کے ہاتھ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو قصاص جاری کرے ورنہ نہیں، بلکہ حاکم قانون کا پابند ہے، جب جرم ثابت ہو جائے گا اس کو جاری کرنا ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ ولیِ مقتول معاف کردے، اور اس طرح وہ بچ جائے۔

حکومت کے اختیارات اب سوال یہ ہے کہ ولیِ مقتول نے معاف کر دیا، لیکن حکومت اسے قصاص میں باایں ہمہ قتل کرنا چاہتی ہے تو کیا حکومت کو یہ حق ہے، یا نہیں، جواب یہ ہے کہ حکومتِ وقت کا فریضہ یہ ہے کہ جب ولی مقتول نے معاف کر دیا ہے تو یہ بھی درگذر کرے، لیکن اگر وہ قتل اس طرح کی زیادتی کے ساتھ متعلق ہے، جس کا اثر دور رس ہے اور عوام کو اس سے نقصان اور ان میں بغاوت کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں ولیِ مقتول کے عفو و کرم کے باوجود حکومت اگر ضروری سمجھے گی تو قاتل کو قتل کر سکتی ہے، مثلاً کسی نے کسی شخص کو مال و دولت کے لالچ میں قتل کر ڈالا ہے، تو علماء کا اتفاق ہے کہ اس صورت میں قاتل قتل کیا جائے گا، ورثہ مقتول کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے، ہاں البتہ اگر اس قاتل نے قتل عداوتِ ذاتی کی بنیاد پر کیا، یا ایسے ہی کسی وجہ سے، تو فیصلہ اجراءِ قصاص میں اولیاءِ مقتول کے معاف کرنے نہ کرنے کی بنیاد پر ہوگا۔

قصاص میں ہتھیار اجراءِ قصاص میں کون سا ہتھیار استعمال کیا جائے گا، اس باب میں ائمہ کا اختلاف ہے، بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ مقتول کو جس طرح کے ہتھیار سے قتل کیا گیا ہے قصاص میں اسی طرح کا ہتھیار استعمال کیا جائے گا، اور وہ اپنی دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ — اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر کہ تم کو تکلیف پہنچائی جائے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من حرق حرقناہ ومن غرق غرقناہ — جس نے کسی کو جلایا اُس کو ہم جلائیں گے اور جس نے کسی کو غرق کیا ہم اسکو غرق کریں گے

اور بعض ائمہ کہتے ہیں کہ قصاص کے اجراء میں تلوار استعمال کی جائے، اس لئے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے

لا قود الا بالسیف

اور کوئی شبہ نہیں کہ راجح یہی مسلک ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام نے ہر چیز میں یُسر کو پسند کیا ہے، خواہ مخواہ کی سختی کی اس میں گنجائش نہیں ہے، اور یہ مُسلّم ہے کہ قصاص کا منشأ قاتل کو قتل کرنا ہے، نہ کہ اسے ستانا، پھر کون نہیں جانتا کہ تلوار سے یہ کام نسبتاً جلد انجام پائے گا، اور مقصد بھی حاصل ہو جائے گا، اس لئے اسی کے استعمال کا عقل فیصلہ کرتی ہے، حدیث سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیئ فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ واذا ذبحتم فاحسنوا الذبیحۃ ولیحد احدکم شفرتہ ولیرح ذبیحتہ	اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں خوبی کے ساتھ انجام دینے کو ضروری قرار دیا ہے لہٰذا جب تم قتل کرو، تو اچھی طرح قتل کرو، اور جب ذبح کرنے چلو، تو خوب اچھی طرح ذبح کرو اور چاہیئے تم میں سے ہر ایک چھری کو تیز کرے اور جانور کو آرام پہنچائے۔

یہ اور اس طرح کی دوسری حدیثوں کے پیشِ نظر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ دوسرا مسلک ہی راجح ہے، کہ قاتل کو تھوڑی سی سہولت رہے گی، چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں

واذا لم یکن بد من موت القاتل ومن استحق القتل فموتہ بالسیف انفع لہ ... والموت بہ اسرع الموتات واقلہا الما (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۶۵)	جب قاتل یا مستحقِ قتل کو موت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو تو اس کی موت تلوار سے اس کے لئے زیادہ نفع بخش ہے، اور اس سے جلد موت واقع ہوتی اور تکلیف بھی کم ہوتی ہے

اس اصول کے تحت اگر کوئی ایسا دھار دار آلہ ایجاد ہو جائے، جو تلوار سے بھی زیادہ تیزی سے آدمی کو قتل کر سکے، تو قصاص میں اس کا استعمال درست ہونا چاہیئے لیکن اگر یہ آلہ دھار دار نہیں ہے اور جان لینے میں بجلی کی سی تیزی رکھتا ہے جیسے مروجہ

(زہر، گیس یا بجلی وغیرہ کا استعمال قصاص کے سلسلہ میں درست ہوگا یا نہیں، قاتل کو ... ناظرین سے متوقع ہے کہ وہ دلائل کے ساتھ اپنی رائے لکھ بھیجیں)

© rasailojaraid.com